© rasailojaraid.com

حضرت شامزئی رحمۃ اللہ علیہ کی دردناک شہادت

ہمارے بعد کہاں یہ وفا کے ہنگامے

مولانا ولی خان المظفر (مدیر: الفاروق عربی)

آج ہر آنکھ اشکبار ہے اور ہر شخص دل فگار۔ چہار سو صف ماتم کا سماں ہے۔ آسمان وزمین نوحہ کناں ہیں۔ پرچم انسانیت سرنگوں ہے۔ زمانہ تاریخ کی کروٹ بدل چکا ہے اور قصرِ ملت میں اک زلزلہ سا بپا ہے کہ امت مسلمہ کے عظیم نابغۂ روزگار راہنما، مفکر، محدث وفقیہ، جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء، امام المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے علوم وافکار کے حامل وامین، محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز جانشین، برصغیر کے زبردست محدث ومصلح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت کی زریں کڑی، شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے علوم کے وارث وروحانی خلیفہ، پیر طریقت حضرت مولانا سید محمود المعروف صندل باباجی کے مجاز بیعت، جامعہ فاروقیہ کراچی کا لائق فخر وقابل رشک ایک عظیم الشان سپوت، حریم نبوت کے پاسبان، علماء وعوام کے ماویٰ وملجا، وطن عزیز کی دینی، مذہبی اور جہادی تنظیموں، تحریکوں اور جماعتوں کے سرپرست، ظالم اور سنگدل قاتلوں کے ظلم وستم اور جبر واستبداد کا نشانہ بن کر مقام شہادت پر فائز ہوگئے۔ وہ کیا چلے......؟ کہ ملت کا صبر وسکون بھی ساتھ لے چلے......ہم سب کو بلکہ مسلمانان عالم کو بے سہارا اور یتیم چھوڑ کر چلے......!

سمجھ نہیں آرہی کہ حضرت شہید علیہ الرحمۃ پر کس طرح لکھوں؟ اور کیا لکھوں......؟ ابتداء کہاں سے ہو اور انتہا کہاں سے......ان کے کون کون سے گوشہائے حیات کو اجاگر کروں۔ عقل وخرد ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ دل ودماغ ماؤف اور سوچ وفکر مقفل ہیں۔ ابھی تک جانے کیوں یقین نہیں آرہا کہ ہمارے مُربیؒ ومشفق اور عالم اسلام کے نوجوانوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے والے بے تاج بادشاہ......ہمیں داغ مفارقت دے چکے ہیں، نہیں......نہیں......! دل ودماغ اس تذبذب اور کشمکش میں ہیں کہ حضرتؒ ابھی زندہ ہیں۔ اپنی نجی مصروفیات میں یا کسی بیرونی دورے پر تشریف لے گئے ہیں۔ اور بہت جلد لوٹ آئیں گے۔ مگر افسوس صد افسوس! کہ یہ محض ظن وتخمین اور وہم وخیال ثابت ہوئے۔ آنکھوں کے مشاہدے اور نظروں کے سامنے آپ کی تجہیز وتکفین نے اس خیالی کشمکش کو چکنا چور کردیا کہ حضرت اب ہم سے سچ مچ جدا ہوگئے ہیں۔ قلم اب بھی ڈگمگا رہا ہے اور افسوس کے آنسو تا ہنوز رواں دواں ہیں کہ مجھ سا ناکارہ ونامۂ سیاہ اور کوتاہِ عقل وفہم تو ان کے فیوض وبرکات کے ادراک سے بھی قاصر ہے، گو کیسے ان کے کمالات ومحاسن اور خصوصیات ومزایا کا تذکرہ کرے گا:

کہیں سامانِ مسرت، کہیں سازِ غم ہے
کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

آپؒ اعلیٰ درجے کے محدث، باریک بین محقق وفقیہہ، شہرۂ آفاق مصنف اور طرح دار ادیب، بے مثال مدرس اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامیاب مجاہد، میدانِ سیاست کے منجھے ہوئے رہنما اور اصلاح وارشاد کے قطب الاقطاب تھے۔

عصرِ حاضر کے نت نئے مسائل پر لکھتے یا بولتے تو ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی تصوراتی یاد آنے لگتی۔ فقہ وفتاویٰ کے میدان میں غوطہ زن ہوتے تو فقیہ دوران کی فقاہت گویا ہوتی نظر آتی۔ فلسفہ ومنطق کی خشک بحثوں میں سر کھپاتے تو غزالیؒ ورازیؒ کے ہم پلہ نظر آتے۔ میدانِ سیاست اور امت مسلمہ کے مسائل اور درپیش خطرات سے امت کو آگاہ کرتے تو شیخ الہندؒ اور مدنی کے جانشین معلوم ہوتے۔ توکل وقناعت، زہد واستغناء، ایثار وقربانی کا یہ عالم تھا کہ ان کے اظہار کے لیے نہ ہی قلم وقرطاس میں یارا ہے، اور نہ ہی راقم کے پاس مناسب الفاظ وتعبیرات، مگر اب چونکہ قلم اٹھ ہی چکا ہے تو کچھ نہ کچھ رطب ویابس ملاحظہ ہی سہی......!

میں نے جب ۱۹۸۰ء میں مادرِ علمی جامعہ فاروقیہ میں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے داخلہ لیا تو کم سنی کے باعث کسی بڑی شخصیت کی سرپرستی کی مجھے اشد ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ قدرت نے دل کی یہ آرزو بھی پوری کر دی اور اپنے علاقے کی نامور عبقری شخصیت سے تعارف ہوا۔ وہ بھی کیا خوب تھا......اور کتنے بھلے ایام...... حضرتؒ عنفوانِ شباب میں تھے۔ جمال و کمال کی خوبیوں سے آراستہ، قد وقامت مضبوط اور بلند، جسم صحت مند، خوب صورت چہرہ اور اس پر گھنی لانبی ڈاڑھی، لبوں پر متواضعانہ مسکراہٹ، چال ڈھال میں میانہ پن اور سب سے بڑھ کر طلبہ کے لیے اس قدر مشفق کہ ان کی شفقت ومہربانی ضرب المثل تھی:

نہ تنہا چشم محو لذتِ دیدار ہوتی ہے — کہ تسکینِ دل وجاں ان کی ہر گفتار ہوتی ہے

فراعنۂ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکارنے والے اور اپنے ہمعصر اور ہم پیالہ وہم نوالہ حضرات کے لیے بریشم کی طرح نرم داعلیٰ اور بلند اخلاق کے حامل، آپ کی صفت کے اس پہلو کا انداز کچھ اس طرح ہوتا ہے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم — رزمِ حق وباطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

آپ کا اندازِ گفتگو محبت بھرا اور شیریں ہوتا۔ جب بولتے تو دلوں کو موہ لیتے۔ خاکسارانہ وضع رکھتے تھے۔ رحم دل اور سخی انسان تھے۔ آپ کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے۔ نکتہ رس، نکتہ دان، نکتہ سنج، نکتہ شناس، پاک دل، پاک باز و پاک ذات اور پاک صفات تھے۔ بات کرتے تو گویا منہ سے پھول برسنے لگتے۔ کسی کا دکھ دیکھتے تو اس کی مدد فرماتے۔ مرنجاں مرنج تھے اور ''بچشمِ خود جمالِ تُو دیدہ است'' کا مصداق تھے۔ نیا نویلا طالب علم جب گھر کی چوکھٹ سے باہر قدم رکھتا ہے تو جہالتِ سفر میں کس قدر پریشاں حال، مضطرب اور سوچوں میں گم رہتا ہے۔ مگر کچھ ان کی شفقت ومحبت نے اور کچھ علاقائی انس ومیلان نے ان کے قریب کر دیا۔ بس پھر کیا تھا۔

کوئی مشورہ لینا ہوتا تو ان سے، اور کوئی مسئلہ ومشکل درپیش ہوتی تو ان کے سامنے رکھ کر خود بری الذمہ ہو جاتے کہ جو فیصلہ حضرتؒ فرمائیں گے اسی پہ عمل ہوگا۔ راقم نے ان سے دورہ حدیث شریف میں ترمذی شریف پڑھی۔ اللہ اللہ......کیا انداز تھا پڑھانے کا! بات دل پہ نقش ہو جاتی۔

راقم سے کبھی کبھار اپنے برادرِ خورد مولوی فہیم الدین (رحمان الدین) کے بارے میں بھی پوچھتے رہتے کہ اُن کی پڑھائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حاضری وغیرہ کی کیا کیفیت ہے اور راقم ان کو بتلاتا رہتا۔ وہ راقم کے ہم جماعت تھے۔

حضرتؒ جب درس و تدریس اور مطالعہ سے فارغ ہوتے تو اپنے گھرے اور محبوب دوست اور اس وقت کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد یوسف کشمیری صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ کبھی علمی گفتگو میں، کبھی گپ شپ میں اور کبھی جامعہ سے متعلق مسائل پر گفتگو کرتے نظر آتے۔ آپس میں محبت وارتباط اس قدر تھا کہ کھانا تک اکٹھے کھاتے تھے۔ جیسے ہی دن بارہ بجے اسباق سے فارغ ہوتے، کمرہ نمبرے میں حضرت مفتی صاحب، حضرت مولانا عنایت اللہ خان شہید، حضرت مولانا حمید الرحمٰن شہید، حضرت ناظم صاحب، حضرت مولانا محمد زیب صاحب اور حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب، اُحیاناً ڈاکٹر مولانا محمد عادل خان صاحب حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب اپنے اپنے کھانے کے ہمراہ تشریف لاتے۔ کھانے کے دسترخوان پر سادہ اور بے تکلف کھانوں میں ان کی گفتگو اور آپس کی محبت وانس اس قدر لذت پیدا کر دیتی کہ رنگین اور پُر تکلف کھانوں میں ایسی لذت کہاں......؟ پس یہ پیکرانِ خلوص ومحبت وہ وقت ایک دوسرے کی نذر کر دیتے۔ بلکہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم العالیہ بھی اس کمرے میں ان کے درمیان گاہے گاہے جلوہ افروز ہوتے۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد دیگر اساتذہ اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوتے اور حضرت مفتی صاحب راہ گذر مسجد تشریف لے جاتے، جہاں آپ جمعہ اور صرف ظہر کی نماز کی امامت فرماتے، اکثر وبیشتر حضرت مفتی صاحب کے پاس آمدورفت میں اچھی خاصی کتابیں ہوتی تھیں، بلکہ بعض اوقات چلتے چلتے بھی مطالعہ فرماتے، میں ان کے ساتھ کتابیں اٹھاتا اور راہ گذر تک خادمانہ ساتھ چلتا، وہاں نماز پڑھا کر مفتی صاحب دارالافتاء تشریف لاتے اور عصر تک جامعہ میں رہتے۔

مفتی صاحب کا سرعتِ مطالعہ تو ضرب المثل تھا ہی، دورۂ حدیث کے پرچے چیک کر کر کے میری طرف پھینکتے جاتے اور میں ان کے لگائے ہوئے نمبر پرچوں سے کشف النتائج پر منتقل کرتا رہتا، بسا اوقات ایسا ہوجاتا کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پرچوں کا ڈھیر لگا دیتے اور پھر کسی مہمان یا طالب علم یا کسی اور مختصر سی مصروفیت میں لگ کر میرا انتظار کرتے، جیسے ہی میں اس ڈھیر کو ختم کرتا، حضرت دوبارہ شروع فرما دیتے، مجھے حیرت ہوتی کہ میں نمبر لگانے میں خاصی پھرتی سے بھی کام لے رہا ہوں اور اس کے باوجود حضرت مفتی صاحب کی چیکنگ اور نمبر لگانے کی رفتار کو کسی طرح بھی نہیں پا سکتا۔

اللہ جل شانہ کا میرے اوپر یہ بہت بڑا فضل ہے کہ حضرت مولانا عنایت اللہ خان شہید، حضرت مولانا حمید الرحمٰن شہید اور حضرت مفتی صاحب شہید رحمہم اللہ کے میں نے جتنے پیر دبائے، سر کی مالش کی شاید ہی کوئی اور اس میں میرا ہمسر ہو اور میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر کروں کم ہوگا کہ نفوسِ قدسیہ کے مالک میرے عظیم اساتذہ میرے ناقص علم کے مطابق مجھ سے ناراض نہیں گئے۔

یہ میں اس لیے نقل کر رہا ہوں کہ الحمدللہ طالب علم اور شاگرد وتلمیذ کی حیثیت سے یہ میرے لیے اور میرے جیسوں کے لیے ایک بڑا سرمایہ ہے۔

آنکھوں میں بس کے دل میں سما کر چلے گئے خوابیدہ زندگی تھی، جگا کر چلے گئے
میری حیاتِ عشق کو دے کر جنون عشق مجھ کو تمام ہوش بنا کر چلے گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھا کے پستیاں مرے اوج کمال کی اپنی بلندیاں وہ دکھا کر چلے گئے
شکرِ کرم کے ساتھ یہ شکوہ بھی ہو قبول اپنا سا کیوں نہ مجھ کو بنا کر چلے گئے

مہمانوں کی اس قدر کثرت ان کے ہاں ہوتی کہ صبح وشام قسم قسم کے آتے جاتے رہتے، مگر ماتھے پہ شکن تک بھی کبھی دکھائی نہیں دی۔

کبھی ان کو حضرت مولانا عنایت اللہ خان شہید اور بالخصوص حضرت شیخ الحدیث زید مجدہ کے سامنے بیٹھا دیکھتے تو دوزانو اور متواضع، ان سے گویا ہوتے تو دھیمے اور پست انداز میں گفتگو فرماتے اور گھنٹوں دوزانو بیٹھے رہتے۔ ادب کا یہ عالم تھا کہ نظریں جھکی ہوتیں اور سانس تک اس قدر کمالِ احتیاط سے لیتے کہ کہیں حضرت محسوس نہ فرمائیں، کبھی غائبانہ طور پر مجالس و پروگراموں میں حضرت زید مجدہم کا نام لیتے تو جو کمالِ ادب اور فرطِ محبت دیکھنے میں آتا، حیرت کی انتہا نہ رہتی۔ حضرت شیخ الحدیث زیدہ مجدہم کی طبیعت کا اکثر و بیشتر خود فون کر کے پوچھتے۔ وہ حضرت شیخ کو اپنا شیخ کامل، آئیڈیل اور پسندیدہ ترین استاد قرار دیتے تھے۔ جب ان کے متعلق استفسار کرتے تو کیفیت قابلِ دید ہوتی۔

سریع المطالعہ ہونے کے باوجود رات گئے تک مطالعے میں اس قدر انہماک سے محو رہتے کہ گردو پیش سے بالکل بے خبر و ناآشنا معلوم ہوتے۔ عدیم الفرصتی اور کثرتِ مشاغل کا یہ عالم ہوا کرتا تھا کہ طعام و آرام کے لیے وقت مشکل سے نکالتے۔ کثرتِ مطالعہ سے بیشتر ان کی آنکھیں سرخ ہوتی تھیں۔ مگر صحت و آرام کی پروا کیے بغیر سولہ سولہ گھنٹے مصروفِ مطالعہ رہتے۔ ان کی علمی محبت اور اعلیٰ علمی ذوق کا اندازہ ان کے وسیع و عریض ذاتی کتب خانے سے ہوتا ہے جو کہ ہزاروں کتب پر مشتمل ہے۔ سالِ گذشتہ حضرتؒ سے جب ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے کہ میرے پاس دارالافتاء میں چند رسائل ہیں۔ علامہ جاحظؒ کے۔ جو میرے زیرِ مطالعہ رہے ہیں۔ میں نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے۔ اب آپ کسی وقت آکر ان کو لیں اور ان کا مطالعہ کریں۔ اس موقع پر حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل مدظلہم بھی ساتھ تھے۔ نیز میرا برادرزادہ محمد بھی ساتھ تھا۔ جس کو دیکھ کر حضرت مفتی صاحب نے ان پر شفقت کا ہاتھ پھیرا، دعا کی اور پانچ سو کا نوٹ نکال کر انہیں تھما دیا، پھر مزاحاً فرمانے لگے کہ آپ دونوں بھی چھوٹے ہی ہیں اور ساتھ پانچ سو حضرت ڈاکٹر صاحب اور پانچ سو راقم کو عطا فرما دیئے۔

جب میں دورہ حدیث شریف سے فارغ ہوا تو ایک سال تک دوران تدریس مجھے افتاء کی مشق کرواتے رہے اور اپنی زیرنگرانی مطالعہ کروایا۔ تدریس اور طریقۂ تدریس پر اکثر راہنمائی فرماتے۔ غرض کہ سرپرستی کا حق ادا کر دیا۔ زندگی کے ہر ہر گوشے میں، میں نے ان سے استفادہ کیا اور میرے لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آج راقم کا علم و اہل علم سے جتنا بھی واسطہ ہے۔ اس میں حضرتؒ کی سرپرستی، خصوصی شفقت و محبت اور دعائیں شامل ہیں۔

راقم کی آخری ملاقات حضرت علیہ الرحمۃ سے ان کی شہادت سے تقریباً دس روز قبل جمعے کے دن ہوئی۔ جب حضرت صدرِ وفاق دامت برکاتہم العالیہ نے ان سے مدارس سے متعلق بعض امور پر رائے طلب کرنے کے لیے بھیجا۔ راقم نے فون پر وقت مانگا، مغرب کی نماز سے لے کر عشاء تک دوبدو مفصل گفتگو ہوئی اور آخر میں کچھ امور کا اظہار فرمایا، حضرت والا کے سامنے جب احقر نے حضرت مفتی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بیان کی تو حضرت کو پسند آئی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا خبر تھی کہ یہ آخری ملاقات ہے، کم از کم ان سے جی بھر کے باتیں تو کرتا، ان کی زیارت سے تو سیر ہوتا۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ علم وعمل کا یہ پیکر، مجسمہ اخلاص وللّٰہیت، عزم واستقلال کا جبل ہم سے رخصت ہوا چاہتا ہے، ۳۰ مئی ۲۰۰۴ء کی صبح جب یہ افسوسناک خبر سننے میں آئی تو جیسے زمین پاؤں کے نیچے سے سرک گئی کہ حضرت خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوگئے:

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی — اک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

جرات وشجاعت کا یہ درخشاں باب بند نہیں ہوا بلکہ اس کا فیض سدا جاری رہے گا جیسے ان کی جدائی کا زخم مندمل ہونے والا نہیں اور غم کم ہونے والا نہیں، ویسے ہی ان کی زندگی کا مشن بھی تا قیامت رکنے والا نہیں۔

وہ شہادت کے آرزومند تھے۔ انھوں نے اپنی زبان وبیان، تحریر وتقریر، علم وشعور اور اللہ کی عطا کی ہوئی تمام صلاحیتوں سے دین حق کے لیے قربانیاں دیں۔ ایک جان باقی رہ گئی تھی سو وہ بھی اس کی راہ میں قربان کر کے سرخرو ہوگئے، کسی نے کیا خوب کہا:

ہمارے بعد کہاں یہ وفا کے ہنگامے — کوئی کہاں سے ہمارا جواب لائے گا

☆☆☆

علماء امت کے نام حضرت شامزئی شہید کی وصیت وپیغام

حضرت مفتی صاحب امت مسلمہ کے مسائل اور اس کے خلاف سازشیوں سے صرف واقف ہی نہیں تھے، بلکہ اس کے سدّ باب کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے، یہاں ہم مفتی عبدالودود اسماعیل زئی مدظلہم کے توسط سے حاصل شدہ حضرت مفتی صاحب کے ایک وصیت نامے کو من وعن افادۂ عام کے لیے نقل کرتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندہ نے آج بمورخہ ۲۰/۲/۱۹۹۴ء مدرسہ عربیہ شمس العلوم (ژوب) کے جلسۂ دستار بندی میں شرکت کی اور علماء وعوام کے سامنے مختصراً کچھ معروضات بھی پیش کیں۔

موجودہ پرفتن دور میں یہود اور امریکہ ودیگر دشمنان اسلام، بنیاد پرستی کی اصطلاح کی آڑ میں دنیا سے اسلام ومسلمانوں کا وجود مٹانا چاہتے ہیں، اگر اس وقت علماء نے اس فتنہ کا ادراک نہیں کیا اور عام مسلمانوں کو آگاہ نہیں کیا تو آئندہ نسلیں اس غلطی پر ان کو معاف نہیں کریں گی اور تاریخ کے اوراق میں ان کا ذکر بہت برے الفاظ سے کیا جائے گا، اس لیے بندہ اپنے مقام سے بڑھ کر علماء کے سامنے ہر موقع پر یہ معروضات پیش کیا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کو غالب فرمائے اور پوری دنیا میں اس کا غلغلہ بلند فرمائے۔ آمین

نظام الدین شامزئی

© rasailojaraid.com